تھی کہ یزید کی خلافت متحقق ہوچکی ہے اور اس کے خلاف خروج کرنا ملّت اسلامیہ کی اجتماعی قوت کو تحلیل کرنے کے مترادف ہے۔ اور یزید کے افعال میں سے کوئی ایسا فعل نہیں جس کی بنا پر وہ عزل کا مستحق ہو۔

وقد کان فی ذالک العصر کثیر من الصحابۃ بالحجاز والشام والبصرۃ والکوفۃ ومصر وکلھم لم یخرج علی یزید لا وحدہ ولا مع حسینؓ۔ (اتمام الوفا ص۲۹۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حجاز، شام، بصرہ، کوفہ اور مصر میں بہت سے صحابہ موجود تھے۔ نہ ان میں سے کسی نے اکیلے یزید کے خلاف خروج کیا اور نہ ہی حضرت حسینؓ کے ساتھ مل کر۔

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد تھا کہ یزید کی خلافت ابھی تک متحقق نہیں ہوئی اور تاحال مسلمانوں کا اس کی امارت پر اتفاق نہیں ہوسکا۔ اہل کوفہ کے وفود اور خطوط نے ان کے مؤقف کو مزید تقویت پہنچائی اور ان کو اس بات پر پورا یقین تھا کہ ان کی ذات ستودہ صفات پر ملت اسلامیہ مجتمع ہوجائے گی۔ اسی موقف کی بنیاد پر آپ نے کوفہ کا سفر اختیار کیا۔ لیکن آپ جب وہاں پہنچے اور صورت حال کا مشاہدہ کیا تو آپ کو یقین ہوگیا کہ یزید کی خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہوچکا ہے۔ اس لئے آپ نے واپسی کا ارادہ فرمایا لیکن عبیداللہ بن زیاد اور شمر کی بدبختی کی وجہ سے آپ واپس نہ ہوسکے اور کربلا کا حادثہ فاجعہ امت کو پیش آیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ بریتہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ واولادہ واتباعہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

غدارانِ ختم نبوت کا عبرتناک انجام

تحریک ختم نبوت کو کچلنے والوں کے بارے میں جناب عبدالرب نشتر مرحوم کی رائے۔

”جن لوگوں نے ۱۹۵۳ء میں عاشقانِ ختم نبوت کو شہید کیا اور ان کے خون سے ہولی کھیلی ہے میں اندر خانہ کے راز دار کی حیثیت سے جانتا ہوں کہ ان پر کیا بیت رہی ہے اور وہ کن حادثات وسانحات کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کا اطمینان سلب کر لیا اور ان کی روحوں کو سرطان میں مبتلا کر دیا ہے“

(سردار عبدالرب نشتر مرحوم)

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

آخری قسط

ضرورتِ نبوّت

پہاڑوں کی غاروں اور آبادی سے دور دراز ویرانہ میں ایک ایک ہفتہ نہیں بلکہ ایک ایک مہینہ اور ایک ایک چلہ زہد و تقشف کی زندگی گزارتا ہے۔ تورات میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مرقوم ہے کہ کتاب ملنے سے قبل وہ چالیس روز تک کوہ طور پر روزہ کی حالت میں رہے۔ اسی طرح انجیل میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ ایک ویرانہ میں چالیس روز تک روزہ کی حالت میں عبادتِ الٰہی میں مصروف رہے خود سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات نزولِ وحی سے قبل غارِ حرا میں عزلت گزینی اور گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و مراقبہ کی زندگی گزارتے رہے۔ چنانچہ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں۔

قیل ماکان صفۃ تعبدہ	یعنی یہ سوال کیا گیا کہ (قبل از اعلان نبوت)
اجیب بان ذلک کان بالتفکر	آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ
والاعتبار	غور و تفکر اور عبرت پذیری۔

(عمدۃ القاری جلد ۱ صہ)

بات دراصل یہ ہے کہ نبی اور رسول کا تعلق چونکہ خاص اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ محبت خداوندی میں فنا ہو چکا ہوتا ہے لہٰذا اس کو اس مادی دنیا کی ہر وہ شئی اور اس فانی جہان کا ہر وہ فعل جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو مکروہ اور ناپسندیدہ معلوم ہوتا ہے اور وہ ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس سے دور بھاگ کر کسی گوشۂ خلوت میں جا بیٹھے جہاں وہ چیز نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام جب اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو اُس وقت دنیا میں طرح طرح کے ناپسندیدہ افعال، کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور فحشاء و منکرات کے سیاہ بادل امنڈے ہوتے ہیں جن سے انسانی اخلاق اور انسانی روحانیت گندی ہو چکی ہوتی ہے۔ چنانچہ جس طرح ہم گندگی اور غلاظت سے دور بھاگتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء زمانہ قبل از نبوت میں بھی اس روحانی اور اخلاقی گندگی کے طوماروں کو دیکھ کر ان سے دور بھاگتے ہیں اور کوئی گوشۂ خلوت تلاش کرتے ہیں جس میں تفکر و مراقبہ کر کے اللہ رب العزت سے لو لگائیں اور اس مادی دنیا کی آلائشوں اور غلاظتوں سے یکسر الگ ہو جائیں۔

چنانچہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ۔

فلما نشأت بغضت الی الاوثان	جب میرا نشو و ارتقار شروع ہوا اسی
وبغض الی الشعر	وقت سے بتوں اور اشعار سے شدید
(کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۵)	نفرت اور عداوت میرے قلب میں ڈال دی گئی

نبی کی اس ریاضت و عبادت کے ساتھ ساتھ کچھ اور خصوصیات بھی اس میں رکھی جاتی ہیں تا کہ دوسری نوعِ انسانی سے جس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اس کو بھیجا گیا ہے، ممتاز ہو جائے۔ چنانچہ وہ حسنِ صورت، حسنِ عمل، اعتدالِ مزاج، حسنِ تربیت، طہارتِ نسب، نیک طینت، نشوونما کی پاکیزگی، سنجیدگی، دیانت امانت اور متانت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ اللہ کے دوستوں کے ساتھ تواضع اور نرم خوئی سے پیش آتا ہے۔ ویسے تو دشمنوں کے ساتھ بھی اُس کا حُسنِ اخلاق ضرب المثل ہوتا ہے اور اپنے خون کے پیاسوں تک کو لَا تثریب علیکم الیوم" کہہ کر چھوڑ دیتا ہے لیکن دشمنانِ حق کے ساتھ شدت و قوت کے ساتھ کبھی بدر و حنین کا معرکہ بھی لڑ لیتا ہے۔ راست گفتار اور امانت دار اس قدر ہوتا ہے کہ دشمن بھی اس کی بات کو سچا جانتے ہیں اور اپنی قیمتی سے قیمتی امانتیں اُس کے پاس رکھتے ہیں۔ وہ دنیا کی سب خوبیوں اور فضائل سے آراستہ برائیوں اور معائب سے یک قلم مبرا ہوتا ہے۔ اس قدر باحیا کہ کنواری عورتیں بھی اس کے حیاد کے سامنے ماند ہوتی ہیں۔ فریاد خواہوں کی فریاد رسی اس طرح کرتا ہے کہ دشمن بھی اپنی فریادیں اُس کے پاس لانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔ قرابت داروں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان اُس کی فطرت اور نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اس کی طینت ہوتی ہے ۔

تمام دنیا کی قومیں اور ساری دنیا کی اکڑی ہوئی گردنیں اس کے سامنے طوعاً و کرہاً سرنگوں ہوتی ہیں۔ بڑے بڑے جابر اور ظالم پا بجولاں اُس کے پاس لائے جاتے ہیں اور وہ اُن کی تقدیروں کا فیصلہ کرتا ہے۔ اللہ کے بندے اُس کے سامنے نہایت عاجزی اور تواضع کے ساتھ اس طرح دست بستہ اور سرنگوں ہو کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے اہلِ فضل و کمال اُس کے آگے دبے بیٹھے ہیں بایں ہمہ نہ اُس میں غرور و نخوت کی بُو آتی ہے اور نہ ہی وہ جفا پیشہ، درشت مزاج اور بدخو ہوتا ہے بلکہ اُس کے ہر ہر عضو سے رحمتِ خداوندی کے شیریں چشمے جاری ہوتے ہیں۔ اُس کے کلام میں شیرینی، افعال میں متانت اور مزاج میں سلامتی ہوتی ہے۔ بعض دفعہ ساری دنیا کے خزانے اُس کے قدموں میں پڑے ہوتے

ہیں لیکن اُس کے اپنے چولہے میں مہینوں آگ نہیں جلتی۔ دوسروں کو ہزاروں اور لاکھوں درہم و دینار بخشے جاتے ہیں لیکن خود اپنی اولاد کو ایک غلام بھی نہیں دیا جاتا، طبیعت کی اِس فیاضی اور مزاج کے اس اعتدال کی وجہ سے وہ باہمہ ہوکر بھی بے ہمہ ہوتا ہے اور ہر نعمت کے اظہار پر وَلَا فَخَر کا فقرہ دہراتا ہے۔ حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ نے خصائصِ نبوت کو اپنے مخصوص حکیمانہ پیرایہ میں یوں بیان فرمایا ہے کہ نبی کی پاکیزہ و معصوم ذات چار قسم کے افراد کی حامل ہوا کرتی ہے۔

۱۔ بادشاہ یا حاکم ہو جس کو حکمتِ عملی کا ماہر مدنی الانسان کہتا ہے یعنی ایسا انسان جس کے نفسِ ناطقہ کے پرتو سے انسانی افراد میں اتحاد اور تنظیم قائم ہو جائے۔ بالفاظ دیگر وہ حکمرانی میں ہر لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہو۔

۲۔ وہ حکیم بھی ہو جسے حکمتِ عملی سے وافر حصہ ملا ہو اور جسے علم اخلاق، تدبیرِ منزل اور سیاستِ مدن میں اعلیٰ دسترس حاصل ہو۔ پھر نہ صرف وہ اس سے آشنا ہی ہو بلکہ وہ تمام اوصاف تحقیقاً اور تخلیقاً اس میں نمایاں نظر آئیں۔

۳۔ صوفی اور مرشد کی شان کا حامل بھی ہو اور ان کی مجالس میں اس کی ذات محیّر العقول کرامات کا سرچشمہ ہو۔ اپنے رشد و ہدایت سے گمراہوں کو صراطِ مستقیم سمجھانے اور ان کی نجات کے لئے کوشاں رہے نیز یہ جانتا ہو کہ اصلاحِ نفس بذریعہ طاعت و ریاضت کس طرح کی جائے۔

۴۔ جبرائیل کا مرتبہ بھی رکھتا ہو جو تدبیرِ الٰہی کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ایک آلہ (جارحہ) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اس کا فرض ہے۔ اس کی جبلت اور خطیرۃ القدس کے مابین ایک وسیع راہ کھلی رہتی ہے جس کے باعث وہاں کے اعلیٰ علوم پیغمبر کے قلب پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ نتیجۃً اُن سے اس کو اطمینانِ قلب، یقین اور بزرگی حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

" اگر می خواہی کہ خواص نبی بفہمی فرض کن کہ چہار شخص در یک تن جمع کردہ اند و آں مجموع را نبی گذاشتند۔ بادشاہی کہ صاحب حکمت عملی او را انسان مدنی می گویند یعنی انسانی کہ ظل نفس ناطقہ او بر مردمان می رسند و بسبب آں ظل التیامی و انتظامی در میان افراد بشر واقع می شود ۔۔ حکیمی کہ در حکمتِ عملی بسر آمدہ و علم اخلاق و تدبیر منزل و سیاستِ مدن نیک

شناختہ ــــ وصوفی مرشدی کہ درمیان زمرۂ صوفیاں نشستہ مصدر کرامات عجیبہ وخوارق غریبہ گشتہ ــــ وحبر عیسٰی کہ جارح او راجارح تدبیر الٰہی گشتہ وواسطہ اخذ علوم حقہ از متبع آں شدہ ۔ (قرۃ العینین ص ۴۲/۴۱، ازالۃ الخفاء جلد ا ص ۲۵۹)

شاہ صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں کچھ اور خصائصِ نبوت بھی بیان فرماتے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت کے لوازمات وخصائص میں ایک لازمہ یہ ہے کہ نبی اپنے نفس ناطقہ کی دونوں قوتوں یعنی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ پر کچھ اس درجہ شدید غلبہ رکھتا ہو کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں بیّن طور پر ممتاز اور منفرد نظر آئے۔ اس کے تمام علوم وکمالات وہبی ہوں، فکر وخیال کا نتیجہ نہ ہوں جیسا کہ عام لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اخلاق میں ہر پہلو سے کامل ہو اور عالم بالا کی طرف طبعاً مائل ہو کیونکہ وہ اپنی اصل فطرت کے اعتبار سے " عالم مثال " کا ایک نقشہ ہوتا ہے اور اُس کا نفس، انسانی صورت سے کلی تدبیر کے باعث مشابہت رکھتا ہے۔

وہ مجسم عصمت ہو اور اُس سے خلاف شریعت کوئی بھی فعل صادر نہ ہو اور معصوم تو وہ بہر طور ہوتا ہی ہے کیونکہ اس کے آئینہ قلب پر خطیرۃ القدس کا عکس ہر وقت پڑتا رہتا ہے، ہر اُس چیز کا اثر جو اللہ تعالیٰ کو پسند و ناپسند ہو۔ خطیرۃ القدس میں ظاہر ہوتا ہے جس سے پیغمبر بروقت آگاہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نبی کی ذات سے ارتکاب معصیت کا امکان سرے سے باقی ہی نہیں رہتا۔

علاوہ ازیں اسباب غیبی بھی نبی کے غلبہ اور کامیابی میں اُس کے ممد ومعاون نیز اُس کی عظمت کے متقاضی ہوں۔ اس کے دشمن ہمیشہ مغلوب رہیں اور تمام سازشوں میں نامراد اُس کی جماعت سرفراز رہے۔ اور وہ پیش آنے والے واقعات کو خواب میں دیکھے۔

علاوہ ازیں نبی سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ بعض اوقات اسرار قلوب سے آگاہ ہوتا ہے اس کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور وہ سچے خواب دیکھتا ہے۔ اس سے غیر معمولی قوت ظاہر ہوتی ہے اس کا دم مؤثر ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ غیر معمولی فراست اور ضبط کا مالک ہوتا ہے۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ قرۃ العینین صفحہ ۴ البدور البازغہ صفحہ ۱۷۵-۱۷۶ وغیرہ۔

نبی اور ریفارمر یا لیڈر

نبی کی ان خصوصیات سے یہ بات بھی عیاں ہوگئی کہ نبی ایک ریفارمر یا لیڈر نہیں ہوتا، کیونکہ نبی اور لیڈر یا ریفارمر میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن اس زمانہ میں بعض جاہل، بدبخت اور شقی القلب لوگ نبی کو ایک لیڈر اور ریفارمر اور دین کو ایک تحریک سمجھتے ہیں۔ نبی کے لئے لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ استعمال کرنا میرے خیال میں نبی کی توہین کرنا ہے اور اس کو اپنے مقام سے گرا کر عمومی سطح پر لانا ہے اور یہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو اسلام کی روح اور معنویت سے ناآشنا ہوں یا اُن کے دل بغض رسول سے بھرے ہوئے ہوں۔ کیونکہ نبی کا صحیح مقام لوگوں کو سمجھانے کے لئے، لفظ نبی یا رسول سے زیادہ صحیح لفظ اور کوئی نہیں چلتا

"خدا تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول (یا نبی) کے ذریعہ پیش کیا اور آخر میں قرآن حکیم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ سے پیش کیا ہے وہ بھی لفظ رسول ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ ... محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ .... محمد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ بھی نہیں رکھتے۔ معلوم ہوا کہ یہ کلمہ ایسا پُرعظمت کلمہ ہے کہ نبی الانبیاء کے تعارف کے لئے بھی اس سے زیادہ موزوں کوئی اور کلمہ نہیں ہے۔ وجود کا نقطۂ اوّل، حقیقۃ الحقائق، برزخیۃ الکبریٰ، مگر انصاف یہ ہے کہ ان سب کلمات کے تکرار سے کچھ غلط فہمیاں تو پیدا ہوگئیں۔ لیکن رسول کا صحیح مقام پھر بھی آشنا دریافت نہ ہوسکا جتنا کہ لفظ رسول سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ ہر دور میں مشہور و معروف تھا۔ اس کے لوازم سب کے ذہن نشین تھے۔ اس کے فرائض و خدمات سب کو معلوم تھے۔ اس کی شخصیت و احترام سے سب آشنا تھے اور یہ تو ناسمجھ سے ناسمجھ انسان پر پوشیدہ نہ تھا کہ بادشاہ اور اس کے رسول کے درمیان نوازش و کرم کے سوا برابری اور مساوات کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جب کوئی رسول دنیا میں آتا تو یہی کہہ دیتا کہ میں احکم الحاکمین، ملک الملوک کا ایسا ہی ایک رسول ہوں جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں کے رسول ہوا کرتے ہیں۔ بس اسی ایک لفظ سے سامعین کے دلوں میں وہ ساری عظمتیں دوڑنے لگتیں۔ محبت و توقیر، اطاعت و حکم برداری کے وہ تمام جذبات اُمنڈنے لگتے جو ایک رسول کے لئے اُمنڈنا چاہئیں اور بیک وقت وہ تمام حدود بھی نظروں کے سامنے آجاتیں جو ایک

بادشاہ اور اُس کے رسول کے درمیان فاصل رہنی چاہئیں۔ اس لئے محبت و اطاعت کے ان تمام جذبات کے ساتھ ان کا جوہر توحید بھی کفر و شرک کی گرد سے کبھی بے آب نہ ہونا۔"

(ترجمان السنہ جلد ۱ صفحہ ۴۵۷)

اس طویل، مفصل اور غیر مبہم اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی اور رسول کے تعارف کے لئے یہ دو الفاظ ہی جنہیں حق تعالیٰ نے ان برگزیدہ اور ستودہ ہستیوں کے لئے خود استعمال کیا ہے کافی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور ایسا لفظ استعمال کرنا جس کے معاشرہ میں ایسے معانی متعارف ہوں جو ہر قسم کے لوگوں پر بولے جاتے ہوں، درست نہیں ہے۔ خصوصی طور پر جبکہ وہ الفاظ جیسے لیڈر اور ریفارمر ایسے لوگوں کے لئے استعمال ہوتے ہوں جن کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہ ہو۔ چنانچہ موجودہ زمانہ میں لیڈر اور ریفارمر کے الفاظ پوری دنیا میں متعارف ہیں۔ انبیاء کرام کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرکے اُن کو بلند مقام سے گرا کر ایک عام انسان کی سطح پر لانا ہے جو کہ اُن کی توہین کے مترادف ہے۔ چنانچہ نبی اور لیڈر یا ریفارمر کے الفاظ کو واضح کرنے کے لئے اُن کا فرق مختصر الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) ایک ریفارمر اور لیڈر کی پرورش اور تربیت عام انسانوں کی طرح ہوتی ہے۔ اُن ہی کی طرح وہ تعلیم و تربیت حاصل کرتا ہے اور اُن ہی کی طرح اُس کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ پھر وہ اپنی سعی و محنت اور متواتر جد و جہد اور اُس کے ساتھ اپنی فطری صلاحیت اور دل سوزی کی بناء پر قوم یا ملک میں کوئی سیاسی اجتماعی، اقتصادی، معاشرتی یا تعلیمی انقلاب برپا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی فراست طبعی، خلوص و دیانت، ایثار و قربانی، نیک نیتی اور نیک کرداری کی بناء پر قوم کی نگاہ میں محبوب ہو جاتا ہے اور قوم اس کو اپنا ریفارمر اور لیڈر تسلیم کر لیتی ہے لیکن انبیاء کی حالت ایسی نہیں ہوتی۔ اوّل تو اُن کی تعلیم و تربیت ہی اللہ تعالیٰ کی صفت دو اصطفاء کے تحت ہوتی ہے کیونکہ آگے چل کر اُن کو ایک بہت بڑی ذمہ داری کو اٹھانا ہوتا ہے جو کہ لیڈر اور ریفارمر کی ذمہ داری سے بہت بھاری ہوتی ہے۔ پھر اُن کے ہر قول و فعل کی قدرت خود نگرانی کرتی ہے حتیٰ کہ ان کی غذا، قوت شنوائی، قوت بینائی سب کو صفت عصمت کے تحت معصوم رکھا جاتا ہے۔ پھر وہ لیڈروں کی طرح قوم کے کہنے پر نبی نہیں بنتے بلکہ وہ ایک مناسب عمر پر جو کہ اکثر چالیس برس ہوتی ہے خود اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ہمیں نبی ماننے پر تمہاری دنیوی اور اُخروی زندگی کی بہتری اور

اصلاح کا دار و مدار ہے ہم اس بات پر مامور ہیں کہ ہمیں نبی مانو، ہمارے احکام پر عمل کرو اور دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچ جاؤ۔ غرضیکہ نبی اور رسول نہ از خود نبی اور رسول بنتے ہیں اور نہ قوم اُن کو نبی اور رسول بناتی ہے بلکہ حق تعالیٰ براہِ راست ان کو رسول بناتا ہے۔

(۲) لیڈر اور ریفارمر اپنی تحریکوں اور پارٹیوں کو دنیَوی مصلحتوں اور سیاسی حکمت عملی کے تحت چلاتے ہیں۔ وہ اپنی دہانت اور صوابدید سے تحریک کے مختلف گوشوں میں ہوا کا رُخ دیکھ کر ردّ و بدل کرتے رہتے ہیں۔ ان میں معیّن حدود و قیود کی پابندیاں ہوتی ہیں اور نہ ہی پیروی کے لئے اُن کے سامنے کوئی اُسوہ ہوتا ہے۔ وہ خود ہی کوزہ اور خود ہی کوزہ گر ہوتے ہیں۔ اگر عوام کو بھڑکانے کے لیے ضرورت محسوس کریں گے تو اپنی الکشنی سرگرمیوں کو بھی بدر و حنین کے غزوہ سے تعبیر کریں گے اور اس جہاد سے الگ رہنے والوں کو مرتد اور مردود ٹھہرائیں گے اور اگر ہوا کا رُخ خلاف دیکھیں گے تو بدر و حنین کے مجاہدین اس طرح بلوں میں جاگھسیں گے جس طرح بلّی کو دیکھ کر چوہے بلوں میں جا گھستے ہیں۔ اگر موسم سازگار پائیں گے تو گلے پھاڑ پھاڑ کر اعلان کریں گے کہ وقت آگیا ہے کہ کرسیوں والے اپنے اقتدار کی کرسیاں اُن کے لئے خالی کر دیں لیکن اگر شومیِ قسمت سے اثنائے تقریر ہی موسم بدلتا نظر آئے تو زورِ تقریر کے جھاگ خشک ہونے سے پہلے ہی اپنے مجاہدین کو ہدایات دیں گے کہ اپنی وردیاں پھینک دو۔ اپنی تلواریں توڑ دو، اپنے بورڈ اتار دو، اپنے املاؤں کو گھس گھس کر مٹا دو، اپنے نعروں اور ناموں پر سیاہیاں پھیر دو اور اپنے گھروں کے دروازے بند کر لو۔

لیکن اس کے برعکس انبیاء کے لئے خود حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود قیود ہوتے ہیں۔ وہ حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی میں چلتے ہیں۔ ان کی جدوجہد کو یہ افتاد کبھی نہیں پیش آتی کہ وہ اٹھیں تو آندھی کی طرح اور بیٹھ جائیں بلبلے کی طرح۔ وہ طوفانوں کے زور کے ساتھ بھی چلیں گے تو اس میں بھی نسیم صبح کی خوش ادائی اور بادِ بہاری کی عطر بیزی اور مشک افشانی ہوگی۔ بجلیاں آئیں گی لیکن وہ بھی اُن کو اپنے راستہ سے نہیں روک سکیں گی۔ وہ زمانے کی ہوا کا رُخ دیکھ کر نہیں چلیں گے۔ بلکہ زمانے کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کریں گے اور اس کوشش میں وہ اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

(دین میں حکمت عملی کا مقام از امین احسن اصلاحی ملخصاً)

(۳) لیڈروں کا مقصد کامیابی ہوتا جس کو حاصل کرنے کے لئے اگر بُرے سے بُرا طریقہ بھی اُن کو اختیار کرنا پڑے تو وہ اس سے بھی نہیں چوکتے۔ لیکن انبیاء کا مقصد کامیابی نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی رضا اُن کا مقصد ہوتا

ہے خواہ ساری زندگی کے وعظ و نصیحت کے بعد ایک متنفس بھی اُن پر ایمان نہ لائے لیکن لوگوں کو ایمان کے راستے پر لانے کے لئے وہ کبھی بھی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتے جو حق تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف ہو یا جسے حق تعالیٰ ناپسند فرماتے ہوں۔ نہ ہی انھوں نے کبھی اس بات کی پروا کی ہے کہ دین کی تبلیغ حالات و مصالح کے مطابق ہے یا نہیں اور لوگ اُس کو رد کریں گے یا قبول کریں گے۔ اگر مصلحت کے پرستاروں کی طرف سے کبھی یہ اصرار کیا گیا کہ دو ایک بات میں اگر یہ ترمیم و اصلاح کر دی جائے تو وہ پورے دین کو بخوشی قبول کرلیں تو انھوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی جانب سے اس میں کسی رد و بدل کے مجاز نہیں ہیں۔ جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے۔ جس کا جی نہ چاہے رد کر دے۔ بلکہ وہ اس دین کو جو اُن پر اتارا گیا بغیر کسی کمی بیشی، بغیر کسی دخل در تصرف اور بغیر کسی رد و بدل کے پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ خلقِ خدا کو پہنچا دیتے ہیں اور اس طرح پہنچاتے ہیں کہ نہ اس کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا ہونے دیتے اور اس کے مواد اور ترتیب میں کوئی تبدیلی ہونے دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے دین کے امین ہوتے ہیں نہ کہ موجد اور مُصنّف۔ اس وجہ سے ہر طرح کے حالات میں وہ اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھتے ہیں کہ اُس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچائیں۔

۴۔ پھر وہ لیڈروں اور ریفارمروں کی طرح صرف گفتار ہی کے غازی نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے اصولوں، اپنے دعاوی اور اپنے نظریات کے عملی مظہر ہوتے ہیں۔ ان کے دل و زبان، قول و فعل اور خلوت و جلوت میں مطابقت ہوتی ہے۔ ان کی ایک ایک ادا اُسی دین کی شہادت دیتی ہے جس کے وہ داعی بن کر آتے ہیں۔ اُن کی زندگی کی کتاب اور اُن کی دعوت کی کتاب میں ذرا برابر فرق نہیں ہوتا۔ وہ جس شے کو دوسروں سے روکتے ہیں اُس سے پوری شدت کے ساتھ خود پرہیز کرتے ہیں بلکہ اُس کی پرچھائیں بھی اُن پر نہیں پڑنے دیتے۔ جس چیز کا دوسروں کو حکم دیتے ہیں اُس پر خود پوری قوت اور عزیمت کے ساتھ عمل کرتے ہیں بلکہ جس چیز کو وہ دعوت دیتے ہیں اگر دوسروں سے اس پر پاؤ سیر عمل کا مطالبہ کرتے ہیں تو خود اس پر پورا سیر بھر عمل کرتے ہیں۔

۵۔ لیڈر اور ریفارمر صرف اپنے اعتماد پر چلتے اور چلاتے ہیں۔ اس وجہ سے اگرچہ وہ اپنی ذہانت کی دوربین سے بیس سال کی مسافت تک مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھ لیتے ہیں لیکن حق تعالیٰ کی وحی کی روشنی سے محروم ہونے کی وجہ سے جب وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں تو بسا اوقات اپنی ناک کے نیچے کے پتھر سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور جب گرتے ہیں تو اُن کو سنبھلنا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل برعکس ہوتا ہے اوّل تو وہ اپنی ذہانت اور فراست کی دوربین سے مستقبل کے پردوں میں جھانک کر دیکھنے پر کلی اعتماد نہیں کرتے،